

سیاحوں کی نظر سے سماج کا تصور (تقریباً دسویں صدی سے سترہویں صدی تک)



5279CH05



شکل (a) 5.1
پان کے پتے



شکل (b) 5.1

ناریل، کئی سیاحوں نے
ناریل اور پان جیسی اشیاء کو
غیر معمولی مانا ہے۔

عورتوں اور مردوں نے کام کی تلاش میں قدرتی آفات سے بچنے کے لیے، تاجروں، سوداگروں، فوجیوں، پروہتوں اور زائرین کی شکل میں یا پھر مہم جوئی کے شعور و احساس سے سرشار ہو کر سیاحت کی ہے۔ وہ لوگ جو کسی نئے مقام پر آتے ہیں یا آباد ہو جاتے ہیں، یقینی طور پر ایک ایسی دنیا کو اپنے سامنے پاتے ہیں جو مناظر یا ماڈی ماحول کی اصطلاح میں اور ساتھ ہی لوگوں کی رسوم، زبان، اعتقادات اور سلوک و عمل میں مختلف ہوتی ہے۔ ان میں سے کچھ ان اختلافات کے مطابق ڈھل جاتے ہیں اور دیگر جو کچھ حد تک خاص ہوتے ہیں، انہیں بغور اپنے

تذکروں میں رقم کر لیتے ہیں۔ جس میں غیر معمولی اور قابل ذکر باتوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے پاس خواتین کے ذریعہ چھوڑے گئے سفر نامے نہیں ہیں۔ حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ بھی سیاحت کیا کرتی تھیں۔

محفوظ بچے تذکرے، مواد مضمون کی اصطلاح میں مختلف اقسام کے ہوتے

ہیں۔ کچھ دربار کی سرگرمیوں سے متعلق ہوتے ہیں جب کہ دیگر مذہبی مسائل پر مرکوز

ہوتے ہیں یا فن تعمیر (monuments) کی خصوصیات اور یادگاروں پر مرکوز ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر پندرہویں صدی میں وجے نگر شہر (باب 7) کے سب سے اہم تذکروں میں سے ایک تذکرہ ہرات سے آئے ایک سفیر عبدالرزاق سمرقندی سے حاصل ہوتا ہے۔

کئی مرتبہ سیاح دور دراز علاقوں میں نہیں جاتے تھے۔ مثلاً مغل سلطنت

(باب 8 اور 9) میں، انتظامیہ کے افسران کبھی کبھی سلطنت کے اندر ہی سفر کیا کرتے

تھے اور اپنے مشاہدات قلمبند کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ اپنے ہی ملک کے مقبول

رسوم و رواج، روایات و عقائد، عوامی حکایتوں (Folklore) میں دلچسپی رکھتے تھے۔

اس باب میں ہم یہ دیکھیں گے کہ برصغیر میں آئے سیاحوں کے ذریعہ بیان

کیے گئے سماجی تذکروں کے مطالعہ سے ہم کس طرح اپنے ماضی کے متعلق علم میں اضافہ کر سکتے

ہیں۔ اس کے لیے ہم تین افراد کے تذکروں پر اپنی توجہ مرکوز کریں گے: البیرونی، جو گیارہویں صدی میں ازبکستان

سے آیا تھا۔ ابن بطوطہ (چودھویں صدی میں) مراکش (Morocco) سے اور فرانسیسی سیاح فرانس برنیر

(Francois Bernier) سترہویں صدی میں برصغیر ہند میں آیا تھا۔

ماخذ 1

البیرونی کے مقاصد

البیرونی نے اپنے کام کا ذکر اس طرح کیا ہے:
ان لوگوں کے لیے معاون جوان سے (ہندوؤں سے)
مذہبی مسائل پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں
کے لیے اطلاعات کا خزانہ جوان کے ساتھ متعلق
ہونا چاہتے ہیں۔

● البیرونی کی کتاب کا یہ اقتباس پڑھیے
(ماخذ 5) اور بحث کیجیے کہ کیا یہ کتاب
ان مقاصد کو پورا کرتی ہے۔

1. البیرونی اور کتاب الہند

1.1 خوارزم سے پنجاب تک

البیرونی کی پیدائش 973 عیسوی میں جدید ازبکستان میں واقع خوارزم میں ہوئی تھی۔ خوارزم ایک علمی و تعلیمی مرکز تھا۔ البیرونی نے اس وقت کی ممکنہ حصول اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ کئی زبانوں جیسے شامی (سیریائی) فارسی، عبرانی (ہیبرو) اور سنسکرت کا عالم تھا۔ حالانکہ وہ یونانی زبان نہیں جانتا تھا تاہم وہ افلاطون (Plato) نیز دیگر یونانی فلسفیوں کے کاموں سے واقف تھا، جن کے اس نے عربی تراجم پڑھے تھے۔ 1017 عیسوی میں خوارزم پر حملے کے بعد سلطان محمود، یہاں کے کئی عالموں اور شعرا کو اپنے ساتھ اپنے دارالسلطنت غزنی لے گیا تھا۔ البیرونی بھی ان میں سے ایک تھا۔ وہ بطور ریغمال غزنی آیا تھا مگر آہستہ آہستہ یہ شہر اس کی پسند بنتا گیا اور تاحیات اس نے اپنی زندگی یہیں بسر کی۔ 70 سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔

غزنی میں ہی البیرونی کی ہندوستان کے تئیں دلچسپی پیدا ہوئی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ آٹھویں صدی سے ہی سنسکرت میں لکھی علم فلکیات، ریاضی اور طب سے متعلق کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہونے لگا تھا۔ پنجاب کے غزنی سلطنت کا حصہ بن جانے کے بعد مقامی لوگوں سے ہوئے رابطوں نے آپسی اعتماد اور فہم پیدا کرنے میں مدد کی۔ البیرونی نے برہمن پروہتوں اور عالموں کے ساتھ کئی سال گزارے، سنسکرت، مذہب اور فلسفہ کا علم حاصل کیا۔ حالانکہ اس کے سفر کی تفصیلات واضح نہیں ہیں پھر بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے پنجاب اور شمالی ہندوستان کا وسیع سفر کیا تھا۔

اس کے تحریر کرنے کے زمانے میں ہی سیاحتی ادب (سفرنامے) عربی ادب کا ایک قابل قبول حصہ بن چکا تھا۔ یہ ادب مغرب میں صحارا ریگستان سے لے کر شمال میں دو لگاندی تک پھیلے علاقوں سے متعلق ہے۔ گرچہ 1500 عیسوی سے قبل ہندوستان میں البیرونی کو کچھ ہی

متون ترجمے،

خیالات کی شمولیت

کئی زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کے سبب
البیرونی، زبانوں کا موازنہ اور کتابوں کا ترجمہ کرنے
کے قابل ہوا۔ اس نے کئی سنسکرت کتابوں بشمول پتھلی،
قواعد کی تصنیف کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اپنے برہمن
دوستوں کے لیے اقلیدس (Euclid)، ایک یونانی
ریاضی داں، کے کاموں کا سنسکرت میں ترجمہ کیا۔

نظام وزن و پیمائش (Metrology) پیمائش کی سائنس ہے۔

ہندو

اصطلاح ”ہندو“ تقریباً پانچویں-چھٹی صدی قبل مسیح میں مستعمل قدیم فارسی لفظ سے نکلی ہے جس کا استعمال سندھ ندی کے مشرقی علاقوں کے لیے ہوتا تھا۔ عربوں نے اس فارسی لفظ کو مستعمل رکھا اور اس علاقے کو ”الہند“ کہا۔ بعد میں ترکوں نے سندھ کے مشرق میں رہنے والے لوگوں کو ”ہندو“ اور ان کی سرزمین کو ”ہندوستان“ اور ان کی زبان کو ”ہندوی“ کا نام دیا۔ ان میں سے کوئی بھی اصطلاح لوگوں کی مذہبی شناخت کی مظہر نہیں تھی۔ مدتوں بعد اس اصطلاح کا اطلاق مذہب کے ساتھ کیا جانے لگا۔

لوگوں نے پڑھا ہوگا لیکن ہندوستان سے باہر ممکن ہے کہ بہت سے افراد اسے پڑھ چکے ہوں۔

1.2 کتاب الہند

المیرونی کی تخلیق ”کتاب الہند“ کی عربی تحریر آسان اور واضح ہے۔ یہ ایک ایسی ضخیم کتاب ہے جو مذہب اور فلسفہ، تیوہاروں، علم فلکیات، علم کیمیا، رسم و رواج، عقائد، معاشرتی زندگی، وزن و پیمائش، مجسمہ سازی، قانون اور نظام وزن و پیمائش جیسے مضامین پر 80 ابواب میں منقسم ہے۔

عام طور سے (حالانکہ ہمیشہ نہیں) المیرونی نے ہر باب میں ایک جداگانہ روش اختیار کی ہے۔ ہر باب کی ابتدا ایک سوال سے ہوتی ہے اور پھر سنسکرت روایات پر مبنی وضاحت کے تسلسل اور دوسرے ثقافتی موازنہ کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ موجودہ دور کے چند دانشور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ تقریباً ہندسی ساخت (Geometric Structure) ہے جو اپنی صحت اور پیش بینی کی صلاحیت کے لیے قابل تعریف ہے اور بڑی حد تک ان کے ریاضیاتی فیصلوں سے مستعار بھی ہے۔

المیرونی جس نے کتاب تحریر کرنے کے لیے عربی زبان کا استعمال کیا تھا۔ ممکن ہے اپنی کتاب برصغیر کے سرحدی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے لیے تحریر کی ہو۔ وہ سنسکرت، پالی اور پراکرت کتابوں کے عربی زبان میں ترجموں اور تصرف سے واقف تھا۔ اس میں فرضی قصوں سے لے کر علم فلکیات اور طب سے متعلق کتابیں شامل تھیں۔ لیکن ساتھ ہی ان کتابوں کے مواد تحریر کی طرز کے ضمن میں اس کا نقطہ نظر تنقیدی تھا۔ یعنی طور سے وہ اس میں اصلاح کرنا چاہتا تھا۔

بحث کیجیے۔۔۔

اگر المیرونی اکیسویں صدی میں ہوتا تو یہی زبانیں جاننے پر اسے دنیا کے کن علاقوں میں آسانی سے سمجھا جاسکتا تھا؟

شکل 5.2

تیرھویں صدی کے عربی قلمی نسخے کی ایک تصویر جس میں چھٹی صدی قبل مسیح کے ایتھنز شہر کے سیاستدان اور شاعر سولون کو طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان کے لباس پر غور کیجیے جن میں انہیں دکھایا گیا ہے

یہ لباس یونانی ہیں یا عربی؟



2. ابن بطوطہ کا رحلہ

2.1 ایک ابتدائی عالمی سیاح

ابن بطوطہ کی عربی زبان میں تحریر سیاحت کی کتاب جسے 'رحلہ' کہا جاتا ہے۔ چودھویں صدی کے برصغیر ہند کی سماجی اور ثقافتی زندگی کے متعلق تفصیلی اور دلچسپ معلومات فراہم کراتی ہے۔ مراکش کے اس سیاح کی پیدائش تجار کے ایک باعزت اور تعلیم یافتہ خاندان میں جو اسلامی مذہبی قانون یعنی شریعت میں خصوصی مہارت کے لیے مشہور تھا، میں ہوئی تھی۔ اپنی خاندانی روایت کے بموجب ابن بطوطہ نے کم عمر میں ہی ادبی اور کتبئی تعلیم حاصل کر لی تھی۔

اپنے طبقے کے دیگر افراد کے برخلاف ابن بطوطہ کتابوں کے مقابلے سیاحت سے حاصل تجربات کو علم اور معلومات کا زیادہ اہم ذریعہ مانتا تھا۔ اسے سیاحت کا بہت شوق تھا۔ وہ نئے نئے ممالک اور لوگوں کے متعلق جاننے کے لیے دور دراز کے مقامات تک گیا۔ 33-1332 میں ہندوستان کے لیے روانہ ہونے سے قبل وہ مکہ کے زیارتی سفر (حج) اور شام (سیریا)، عراق، فارس (ایران)، یمن، عمان اور مشرقی افریقہ کے کئی ساحلی تجارتی بندرگاہوں کی سیاحت کر چکا تھا۔

وسط ایشیا کے زمینی راستے سے ہو کر ابن بطوطہ 1333 میں سندھ پہنچا۔ اس نے دہلی کے سلطان محمد بن تغلق کے بارے میں سنا تھا اور فن و ادب کے ایک قدردان کی حیثیت سے اس کی شہرت کی کشش سے متاثر ہو کر ابن بطوطہ ملتان اور کچھ کے راستے سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان اس کی علمیت سے متاثر ہوا، اسے دہلی کا قاضی یعنی جج مقرر کیا۔ وہ اس عہدہ پر کئی سال تک رہا مگر اس نے اپنا اعتماد کھودیا اور اُسے قید کر دیا گیا۔ بعد میں سلطان اور اس کے درمیان کی غلط فہمی دور ہونے کے بعد اس کو شاہی خدمت میں بحال کر دیا گیا۔ 1342 میں اُسے منگول حکمران کے پاس سلطان کے سفیر کی حیثیت سے چین جانے کا حکم دیا گیا۔

اپنی نئی تفویض کے ساتھ ابن بطوطہ وسطی ہندوستان کے راستے مالا بار ساحل کی طرف روانہ ہوا۔ مالا بار سے وہ مالدیپ گیا جہاں وہ اٹھارہ مہینے قاضی کے عہدہ پر فائز رہا۔ بالآخر اس نے سری لنکا جانے کا فیصلہ کیا۔ بعد میں ایک بار پھر وہ مالا بار ساحل اور مالدیپ گیا۔ چین جانے کے اپنے مشن کو دوبارہ شروع کرنے سے قبل وہ بنگال اور آسام بھی گیا۔ وہ جہاز سے سہارا گیا اور

اپنا گھونسلہ چھوڑتا ہوا پرندہ

یہ رحلہ سے لیا گیا ایک اقتباس ہے:

میرے مقام پیدائش تجیار سے میری رواںگی جمعرات کو ہوئی..... میں اکیلا ہی نکل پڑا..... نہ ہی کوئی ہم سفر..... اور نہ کوئی قافلہ جس میں شامل ہو سکتا لیکن اپنی دلی خواہش اور جذبات سے مغلوب میں اُن مقدس مقامات کو دیکھنے نکل پڑا، جو برسوں سے میرے سینے میں پل رہی تھیں اور میرے ارادے کو تقویت بخش رہی تھیں۔ اس لیے میں نے اپنے عزیزوں، مرد، عورت اور اپنے گھر کو خیر آباد کہا جیسے پرندے اپنے گھر گھونسلے سے نکل پڑتے ہیں..... اس وقت میری عمر 22 سال تھی۔

اپنی رواںگی کے تقریباً 30 سال بعد ابن بطوطہ 1354 میں واپس اپنے گھر لوٹا۔

شکل 5.3

ڈاکو مسافروں پر حملہ کرتے ہوئے۔ سولہویں صدی کی مغل پینٹنگ

آپ ڈاکوئل اور مسافروں کے درمیان کیسے فرق کریں گے؟





شکل 5.4

ایک کشتی میں سوار مسافر، بنگال
کے ایک مندر میں ٹری کوٹا مجسمہ
سازی، (تقریباً سترھویں - اٹھارھویں
صدی)

ساترا سے ایک دوسرے جہاز سے چین کے بندرگاہی شہر زیاتن (Zaytun) (اب قوانز
ہو، Quanzhou کے نام سے جانا جاتا ہے) گیا۔ اس نے چین میں خوب سیاحت کی۔ وہ بیجنگ تک
گیا لیکن وہاں وہ طویل عرصے تک نہیں ٹھہرا۔ 1347 میں اس نے اپنے گھر واپس جانے کا فیصلہ کیا۔
چین کے ضمن میں اس کے سفر نامہ کا موازنہ مارکو پولو، جس نے تیرھویں صدی کے آخر میں وینس سے
روانہ ہو کر چین (اور ہندوستان کا بھی) کا سفر کیا تھا، کے سفر نامے سے کیا جاتا ہے۔

آپ کے خیال میں کچھ مسافر ہتھیار کیوں
لیے ہوئے ہیں؟

بے یار و مددگار سیاح (The lonely traveller)

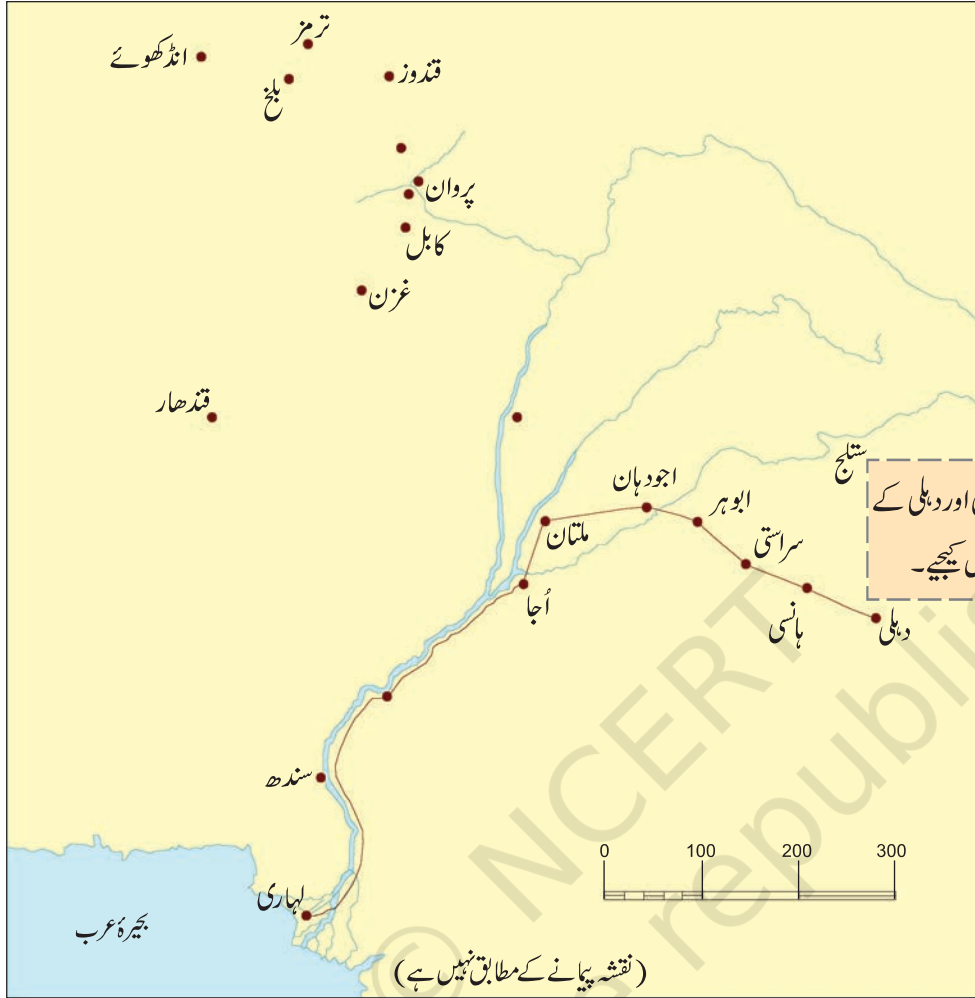
طویل سفر میں صرف لٹیرے ہی ایک خطرہ نہیں تھے، مسافر وطن کی یاد میں افسردہ ہو سکتا تھا یا بیمار پڑ سکتا تھا۔ یہاں 'رحلہ' سے لیا گیا ایک اقتباس پیش ہے:

مجھ پر بخار کا حملہ ہوا تھا۔ میں نے کمزوری کے سبب گرنے سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو پگڑی کے کپڑے سے زین کے
ساتھ باندھ لیا آخر کار ہم تینوں شہر پہنچے اور وہاں کے باشندے اور قاضی کا لڑکا استقبال کرنے کے لیے شہر کے باہر
آئے۔ چاروں طرف سے لوگ خیر مقدم کے لیے آگے بڑھے اور ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ لیکن ان میں سے
کسی نے بھی میرا استقبال نہیں کیا۔ کیونکہ وہاں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس سے میرا تعارف ہو، اپنے اکیلے پن سے میں اتنا
اداس ہوا کہ اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو میں روک نہیں سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ مگر ایک زائر میری غمگینی کے
سبب میرے پاس آیا اور میرا خیر مقدم کیا

نقشہ 1

افغانستان، سندھ اور پنجاب کے وہ مقامات، جن کی ابن بطوطہ نے سیاحت کی

کئی مقامات کے نام اسی طرح لکھے گئے ہیں جس طرح ابن بطوطہ انہیں جانتا تھا۔



(نقشہ بیان کے مطابق نہیں ہے)

سفر کرنا بہت زیادہ محفوظ بھی نہیں تھا۔ ابن بطوطہ پر کئی مرتبہ ڈاکوؤں کے گروہوں نے حملے کیے تھے۔ درحقیقت وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کارواں میں سفر کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ لیکن اس طرح بھی شاہراہوں کے لیٹروں کو روکا نہیں جاسکتا تھا۔ ملتان سے دہلی کے سفر کے دوران اس کے کارواں پر حملہ ہوا تھا اور اس کے کئی ساتھی مسافروں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ جو زندہ بچ گئے تھے۔ ان میں ابن بطوطہ بھی تھا، سب شدید زخمی ہو گئے تھے۔

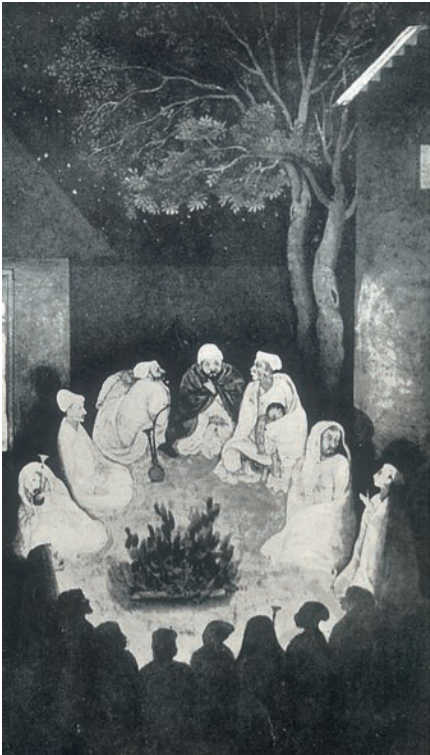
2.2 ”تجسس کا لطف“

جیسا کہ ہم نے دیکھا ابن بطوطہ ایک تجربہ کار سیاح تھا۔ جس نے اپنے آبائی وطن مراکش واپس جانے سے قبل کئی سال شمالی افریقہ، مغربی ایشیا، وسطی ایشیا کے کچھ علاقے (ہوسکتا ہے کہ وہ روس بھی گیا ہو) برصغیر ہندوستان اور چین کے سفر کیے تھے۔ جب وہ واپس آیا تو مقامی حکمرانوں نے حکم دیا کہ اس کی کہانیوں کو قلمبند کیا جائے۔

تعلیم اور تفریح

ابن جوزی نے جسے ابن بطوطہ کی عبارت (تحریر) املا کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا، اپنے ابتدائیہ میں لکھا ہے:

(حکمران کے ذریعہ) ایک مشفقانہ ہدایت دی گئی کہ وہ (ابن بطوطہ) اپنے سفر کے دوران دیکھے گئے شہروں کا نیز اپنی یادداشت میں محفوظ دلچسپ واقعات کو املا کروائیں یعنی تحریر کروائیں اور ساتھ ہی مختلف ممالک کے حکمرانوں میں سے جن سے وہ ملیں، ان کے ممتاز علما کے نیز ان کے برگزیدہ بزرگوں کے متعلق بتائیں۔ اس کے مطابق انھوں نے ان سبھی مضامین پر بیان لکھوایا۔ جس نے ذہن کو تفریح، کانوں اور آنکھوں کو خوشی عطا کی۔ ساتھ ہی انھوں نے کئی قسم کے غیر معمولی تذکرے جن کا ذکر کرنے سے روحانی تسکین ہوتی ہے، بیان کیے اور شاندار چیزوں کے بارے میں بتایا جن کے حوالے سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔



شکل 5.5

اٹھارہویں صدی کی ایک پینٹنگ جس میں سیاحوں کو آگ کے ارد گرد مجتمع دکھایا گیا ہے۔

ابن بطوطہ کے نقش قدم پر

1400 سے 1800 کے درمیان ہندوستان میں آئے سیاحوں نے فارسی میں کئی سفرنامے تحریر کیے ہیں۔ اسی زمانے میں ہندوستان سے وسط ایشیا، ایران اور عثمانی سلطنت کی سیاحت کرنے والوں نے بھی گاہے بگاہے اپنے تجربات تحریر کیے ہیں۔ ان مصنفین نے البیرونی اور ابن بطوطہ کے نقش قدم کی پیروی کی ہے۔ ان میں کچھ نے ان ابتدائی مصنفین کو پڑھا بھی تھا۔

ان مصنفین میں سے سب سے مشہور عبدالرزاق سمرقندی ہے جس نے 1440 کی دہائی میں جنوبی ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ محمودولی بخش جس نے 1620 کی دہائی میں دور دراز تک سیاحت کی تھی۔ نیز شیخ علی حزیں جو 1740 کی دہائی میں شمالی ہندوستان آئے تھے، شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ مصنفین ہندوستان سے مسور تھے اور یہاں تک کہ ان میں سے ایک محمودلہجی تو کچھ وقت کے لیے سنیا سی بھی بن گئے تھے۔ کچھ دیگر جیسے حزیں ہندوستان سے مایوس ہوئے، یہاں تک کہ نفرت بھی کرنے لگے۔ وہ ہندوستان میں اپنے لیے ایک شاندار سلوک کی امید رکھتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر نے ہندوستان کو عجائبات کے ملک کی صورت میں دیکھا تھا۔

گفتگو کیجیے...

البیرونی اور ابن بطوطہ کے تحریر کردہ تذکروں کے مقاصد کا موازنہ کیجیے۔

3. فرانس برنیئر ایک منفرد ڈاکٹر (معالج)

تقریباً 1500 کے قریب پرتگالیوں کے ہندوستان آنے کے بعد ان میں سے بعض لوگوں نے ہندوستانی رسم و رواج اور مذہبی معمولات کے متعلق مفصل رودادیں لکھیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں کے جیسے جیسوئٹ روبرٹو نیبلی (Jesuit Roberto Nobili) نے تو ہندوستانی گرنختوں کا یورپی زبانوں میں ترجمہ بھی کیا۔

ان میں سب سے معروف مصنفین میں ایک نام دوارتے باربوسا (Duarte Barbosa) کا ہے، جس نے جنوبی ہندوستان کی تجارت اور سماج کا ایک تفصیلی بیان قلمبند کیا ہے۔ بعد میں 1600 کے بعد ہندوستان میں آنے والے ڈچ، انگریز اور فرانسیسی سیاحوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ ان میں سب سے مشہور نام فرانسیسی جوہری جین بپٹیسٹ ٹورنیئر (Jean Baptiste Tavernier) کا تھا، جس نے کم از کم چھ مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا۔ وہ خاص طور پر ہندوستان کے تجارتی حالات سے بہت مسحور تھا۔ اس نے ہندوستان کا موازنہ ایران اور عثمانی سلطنت سے کیا۔ ان میں سے کئی سیاح جیسے اطالوی معالج منوچی (Manucei) کبھی بھی یورپ واپس نہیں گئے اور ہندوستان کو ہی مسکن بنالیا۔

فرانس کا رہنے والا فرانس برنیئر ایک معالج، سیاسی فلسفی نیز ایک مؤرخ تھا۔ دیگر لوگوں کی طرح وہ بھی مغل سلطنت میں مواقع کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ بارہ سال تک 1656 سے 1668 تک ہندوستان میں رہا۔ پہلے شہنشاہ شاہ جہاں کے بڑے بیٹے داراشکوہ کے معالج کے طور پر مغل دربار سے وابستہ رہا اور بعد میں ایک آرمینیائی امیر دانشمند خان کے ساتھ ایک دانشور اور سائنسداں کی شکل میں مغل دربار سے وابستہ رہا۔

3.1 ”مشرق“ اور ”مغرب“ کا موازنہ

برنیئر نے ملک کے کئی علاقوں کی سیاحت کی اور جو دیکھا اس کی روداد لکھی۔ اس نے یہاں کے حالات کا موازنہ یورپی حالات سے کیا۔ اس نے اپنی اہم تحریر فرانسیسی حکمران لوئی چودھواں (Louis XIV) کے نام معنون کیا۔ اور اپنی بعض دوسری تحریروں کو بااثر عہدیداروں اور وزرا کو خطوط کی شکل میں پیش کیا۔ یورپی ترقی سے ہندوستان کا موازنہ کرتے ہوئے برنیئر نے ہندوستان کے حالات کو مایوس کن بتایا۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ اُس کے بیشتر مشاہدے درست نہیں تھے اس کے باوجود جب بھی اس کی کوئی تحریر شائع ہوتی، بے حد مقبول ہوتی۔



شکل 5.6

سترھویں صدی کی ایک تصویر میں برنیئر کو یورپی پوشاک پہنے دکھایا گیا ہے۔



شکل 5.7

ہندوستانی لباس میں ٹیورنیئر کی تصویر

مغل فوج کے ساتھ سفر

برنیر نے کئی مرتبہ مغل فوج کے ساتھ سفر کیا تھا۔ یہاں فوج کے کشمیر کوچ کرنے کے تعلق سے تحریر کردہ تذکرے کا ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے:

اس ملک کے رواج کے مطابق مجھ سے دو عمدہ ترکمانی گھوڑے رکھنے کی امید کی جاتی ہے۔ میں اپنے طاقتور فارسی اونٹ اور کوچ بان، اپنے گھوڑے کے لیے ایک سائس، ایک خام نامہ نیز ایک خدمت گار جو اپنے ہاتھوں میں پانی کا برتن لے کر میرے گھوڑے کے آگے چلتا ہے، بھی رکھتا ہوں۔ مجھے استعمال کی ہر شے دی گئی۔ جیسے ایک مناسب سائز کا خیمہ، ایک درمی، چار بہت مضبوط پر ہلکے بید سے بنا ایک سفری پلنگ، ایک تکیہ، ایک بستر، کھانے کے وقت کے لیے مناسب گول شکل کا چمڑے کا میز پوش، رنگے ہوئے کپڑے کے کچھ رومال، کھانا بنانے کے برتن سے بھرے تین چھوٹے تھیلے جو سبھی ایک بڑے تھیلے میں رکھے ہوئے تھے اور یہ تھیلہ بھی ایک لمبے چوڑے نیز مضبوط دوہرے بورے اور چمڑے کے تسمے سے بنے جال میں رکھا تھا، اسی طرح اس دوہرے بورے میں آقا اور خدمت گاروں کی غذائی اشیاء، سوتی کپڑے اور لباس رکھے گئے ہیں۔ میں نے احتیاط سے پانچ یا چھ دنوں کے صرفہ کے لیے عمدہ چاول، سونف (ایک جڑی بوٹی) کی خوشبو والے میٹھے بسکٹ، لیمو نیز چینی کا ذخیرہ ساتھ رکھا۔ ساتھ ہی وہی نتھارنے مناسب چھوٹے لوہے کے ہک والے تھیلے لینا بھی نہیں بھولا تھا۔ اس ملک میں لیموں کے شربت اور وہی سے زیادہ تازگی بھری کوئی شے نہیں ہے۔

ہندوستان کے متعلق خیالات کی تخلیق اور اشاعت

یورپی سیاحوں کی تحریروں اور ان کی کتابوں کی طباعت و اشاعت کی مدد سے یورپی لوگوں میں ہندوستان کی ایک شبیہ پیدا کرنے میں مدد ملی۔ بعد میں 1750 کے بعد جب شیخ اعظام الدین اور مرزا ابوطالب جیسے ہندوستانیوں نے یورپ کا سفر کیا تو انھیں یورپی لوگوں میں موجود ہندوستانی سماج کی شبیہ کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے حقائق و مواد کو اپنی تشریح کے مطابق ترتیب دیا اور اپنے طریقہ سے ترتیب دے کر متناثر کرنے کی کوشش کی۔

برنیر کی فہرست میں سے کون سی اشیاء ایسی ہیں جو آج سفر میں آپ ساتھ لے جانا چاہیں گے؟

بحث کیجیے...

ہندوستانی زبانوں میں بڑی مقدار میں سیاحتی ادب دستیاب ہیں۔ آپ اپنے گھر میں بولی جانے والی زبان کے سیاح مصنفین کے متعلق معلوم کیجیے۔ کسی ایک ایسی روداد کو پڑھیے اور سیاح کے ذریعہ دیکھے گئے علاقوں، اس نے جو خود دیکھے اور اس کے ذریعہ روداد لکھے جانے کے اسباب بیان کیجیے۔

برنیر کی تحریریں 1670-71 میں فرانس میں شائع ہوئیں تھیں۔ اگلے پانچ برسوں کے اندر ہی انگریز، ڈچ، جرمن اور اطالوی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو گیا تھا۔ 1670 اور 1725 کے درمیان اس کا سفر نامہ فرانسیسی زبانوں میں آٹھ بار از سر نو شائع ہو چکا تھا۔ 1684 تک یہ تین مرتبہ انگریزی میں شائع ہوا تھا۔

4. ایک اجنبی دنیا کے فہم کی تعمیر البیرونی اور سنسکرت روایت

4.1 فہم کے لیے رکاوٹوں سے نبرد آزما

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، سیاحوں نے برصغیر ہند میں جو بھی دیکھا عموماً اس کا موازنہ انھوں نے ان معمولات سے کیا جن سے وہ واقف تھے۔ ہر سیاح نے اسے سمجھنے کے لیے ایک الگ طریقہ اپنایا۔ مثلاً البیرونی اپنے لیے ایک متعین تفویض میں پوشیدہ مشکلات سے واقف تھا۔ اس نے کئی رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے فہم میں مانع تھیں۔ ان میں سب سے پہلی رکاوٹ زبان تھی۔ اس کے مطابق سنسکرت، عربی اور فارسی سے اتنی مختلف تھی کہ خیالات و نظریات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا آسان نہ تھا۔ اس نے مذہبی عقائد اور اس پر عمل آوری کی دوسری رکاوٹ کے طور پر نشاندہی کی۔ تیسری رکاوٹ مقامی باشندوں کی خود انہماکی اور تنگ نظری تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان مشکلات کے علم کے باوجود البیرونی نے مکمل طور پر برہمنوں کے ذریعہ لکھی گئی کتابوں پر انحصار کیا۔ اس نے ہندوستانی سماج کو سمجھنے کے لیے اکثر ویدوں، پرانوں، بھگوت گیتا، پتھلی کی تحریروں اور منوسمرتی سے اقتباسات نقل کیے۔

4.2 البیرونی کا ذات پات کے نظام کا بیان

البیرونی نے دیگر سماجوں میں موجود متوازی ذات پات کے نظام کے ذریعہ سے ذات پات کے نظام کو سمجھنے اور تشریح کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لکھا ہے کہ قدیم فارس (ایران) میں چار سماجی درجات تسلیم شدہ تھے۔ شہسوار اور شہزادے؛ راہب، آتش پرست، پجاری اور وکلا؛ اطباء، ہیئت داں اور دیگر سائنسدان اور آخر میں کسان اور دستکار۔ دوسرے الفاظ میں وہ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ سماجی تقسیم صرف ہندوستان تک محدود نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اشارہ دیا کہ اسلام میں سبھی لوگوں کو برابر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان میں فرق صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

ذات پات کے نظام کے تعلق سے برہمن وادی تفصیل و تعبیر کو تسلیم کرنے کے باوجود البیرونی نے آلودگی کے خیال کو قبول نہیں کیا۔ اس نے لکھا ہے کہ ہر وہ چیز جو آلودہ ہو جاتی ہے واپس اپنی اصل حالت میں آنے کی کوشش کرتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے۔

غیر معمولی وسعت والی زبان

سنسکرت کے متعلق البیرونی لکھتا ہے:

اگر آپ اس (یعنی سنسکرت زبان) سیکھنے کی زبان پر فتح پانا چاہتے ہیں تو آسان نہیں ہوگا۔ کیونکہ عربی کی ہی طرح، الفاظ اور گردان، دونوں میں اس زبان کی غیر معمولی وسعت ہے۔ اس میں ایک ہی چیز کئی الفاظ، بنیادی اور مشتق دونوں، بولے جاتے ہیں جنہیں مناسب طور پر سمجھنے کے لیے مختلف قابل وصف طریقے سے ایک دوسرے سے الگ کیا جانا ضروری ہے۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے!

سیاح بتائی گئی باتوں پر ہمیشہ یقین نہیں کرتے۔ البیرونی کو جب ایک لکڑی کے مجسمے کے بارے میں پتا چلا جو کہانی کی رو سے 2,16,432 سال تک وجود میں رہی، تو البیرونی پوچھتا ہے:

لکڑی اتنے طویل عرصے تک کیسے وجود میں رہی ہوگی، خاص طور پر ایسے مقام پر جہاں ہوا اور مٹی کافی کم ہوتی ہے؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے!

سورج ہوا کو خالص کرتا ہے اور نمک سمندر میں پانی کو آلودگی سے بچاتا ہے۔ البیرونی پُر زور انداز میں کہتا ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوتا تو زمین پر زندگی ناممکن ہوتی۔

ماخذ 5

ورنوں کا نظام

البیرونی ورن نظام کا ذکر یوں کرتا ہے:

سب سے اعلیٰ ذات برہمن کی ہے۔ جن کے متعلق ہندوؤں کی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ وہ برہما کے سر سے پیدا ہوئے تھے کیونکہ برہمن قدرت نامی طاقت کا دوسرا نام ہے۔ اور 'سر' جسم کا سب سے اعلیٰ حصہ ہے۔ اس لیے برہمن گل حیوانات کا سب سے چیدہ حصہ ہیں۔ اسی وجہ سے ہندو انھیں نوع انسانی میں سب سے افضل مانتے ہیں۔

دوسری ذات چھتریوں کی ہے۔ جن کی تخلیق، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ برہما کے کندھوں اور ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ ان کا درجہ برہمنوں سے زیادہ نیچے نہیں ہے۔ اس کے بعد ویش آتے ہیں۔ ان کی پیدائش برہما کی رانوں سے ہوئی تھی، شودر کی پیدائش ان کے پیروں سے ہوئی تھی۔

آخر کے دو طبقوں کے درمیان زیادہ فرق نہیں ہے۔ لیکن ان طبقوں کے درمیان فرق ہونے کے باوجود بھی یہ ایک ساتھ ہی شہروں اور گاؤں میں ایک جیسے مکانات اور گھروں میں رہتے ہیں۔

البیرونی نے جو تحریر کیا ہے اس کا موازنہ باب 3 کے ماخذ 6 سے کیجیے۔ کیا آپ نے ان میں کوئی یکسانیت اور فرق پر غور کیا؟ کیا آپ سوچتے ہیں کہ البیرونی نے ہندوستانی سماج کے متعلق اپنی معلومات اور فہم کے لیے صرف سنسکرت کتابوں پر ہی انحصار کیا؟

جیسا کہ ہم نے دیکھا، ذات پات کے نظام کے متعلق البیرونی کا بیان اس کی سنسکرت کی معیاری و قانونی کتابوں کے مطالعہ سے غائر طور پر متاثر تھا۔ ان کتابوں میں برہمنوں کے نقطہ نظر سے ذات پات کے نظام کو چلانے والے اصولوں کو بیان کیا تھا۔ لیکن حقیقی زندگی میں یہ نظام اتنا بھی سخت نہیں تھا۔ مثلاً انتیاجہ (لغوی طور پر نظام سے باہر پیدا) نامی درجات سے اکثر یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ کسانوں اور زمینداروں کے لیے سستی سخت (مزدوری) مہیا کرائیں (باب 8 بھی ملاحظہ کریں)۔ بالفاظ دیگر حالانکہ یہ اکثر سماجی استحصال کا شکار ہوتے تھے۔ پھر بھی انھیں معاشی نیٹ ورک میں شامل کیا جاتا تھا۔

بحث کیجیے...

ایک مختلف علاقے سے آئے سیاح کے لیے، اس علاقے کی زبان کا علم کتنا ضروری ہے؟

5. ابن بطوطہ اور غیر مانوس کو جاننے کا تجسس

چودھویں صدی میں ابن بطوطہ دہلی آیا تھا۔ اس وقت تک پورا برصغیر ہند ایک ایسے عالمی نیٹ ورک رابطہ کا حصہ بن چکا تھا جو مشرق میں چین سے لے کر مغرب میں شمالی مغربی افریقہ اور یورپ تک پھیلا ہوا تھا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ ابن بطوطہ نے خود ان علاقوں میں بڑے پیمانے پر سفر کیے تھے، مقدس مذہبی یادگاروں کو دیکھا تھا، عالموں اور حکمرانوں کے ساتھ وقت گزارا تھا۔ اکثر قاضی کے عہدہ پر فائز رہا اور شہری مراکز کی عالمی ثقافت سے لطف اندوز ہوا تھا، جہاں عربی، فارسی، ترکی اور دیگر زبانیں بولنے والے افراد، خیالات اور تاریخی تفصیلات میں شریک ہوتے تھے۔ اس میں اپنے تقویٰ کے لیے مشہور افراد کی، ایسے راجاؤں کی جو ظالم اور رحم دل دونوں ہو سکتے تھے اور عام مرد و خواتین نیز ان کی زندگیوں کی کہانیاں شامل تھیں اور جو بھی غیر مانوس تھا اس پر خاص طور سے روشنی ڈالی جاتی تھی۔ ایسا یہ یقینی کرنے کے لیے کیا جاتا تھا کہ سامع یا قاری دور دراز کی قابل رسائی دنیا کے تذکروں سے پوری طرح متاثر ہو سکے۔

5.1 ناریل اور پان

ابن بطوطہ کے طرز بیان کے طریقوں کی کچھ مثالیں ان طریقوں میں ملتی ہیں جن میں وہ ناریل اور پان۔ دو ایسی بنائاتی پیداوار جن سے اس کے قارئین پوری طرح ناواقف تھے، کا ذکر کرتا ہے۔

ماخذ 7

پان

پان پر ابن بطوطہ کی وضاحت کا مطالعہ کیجیے۔

پان ایک ایسا درخت ہے جسے انگور کی نیل کی طرح ہی اگایا جاتا ہے..... پان کا کوئی پھل نہیں ہوتا اور اس کو صرف اس کے پتوں کے لیے ہی اگایا جاتا ہے..... اس کو استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے کھانے سے پہلے چھالیائی جاتی ہے۔ یہ جانفل جیسی ہی ہوتی ہے مگر اسے تب تک توڑا (کنڑا) جاتا ہے جب تک اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نہیں ہو جاتے اور انھیں منہ میں رکھ کر چبایا جاتا ہے۔ اس کے بعد پان کے پتوں پر تھوڑا سا کھارکھ کر اس کے ساتھ انھیں چبایا جاتا ہے۔

آپ کے خیال میں اس نے (پان نے) ابن بطوطہ کی توجہ اپنی طرف کیوں مبذول کرائی؟ کیا آپ اس بیان میں کچھ اور جوڑنا چاہیں گے؟

ماخذ 6

انسانی سر جیسا گری دار میوہ

ناریل کا تذکرہ ابن بطوطہ اس طرح کرتا ہے:
یہ درختوں کی قسم میں سب سے منفرد اور نشوونما کے طریقے میں متحرک درختوں میں سے ایک ہے۔ یہ ہو بہو کھجور کے درختوں کی مانند نظر آتے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ایک سے گری دار میوہ حاصل ہوتا ہے اور دوسرے سے کھجور۔ ناریل کے درخت کا پھل انسانی سر سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اس میں بھی مانو دو آنکھیں اور ایک منہ ہے جب وہ ہرارتا ہے تو دماغ جیسا نظر آتا ہے۔ اس سے جڑے ریشے بالوں جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اس سے رسی بناتے ہیں۔ لوہے کی کیلوں کے استعمال کے بجائے اس سے جہاز کو سیٹے (جوڑتے) ہیں۔ وہ اس سے برتنوں کے لیے رسی بھی بناتے ہیں۔

ناریل کیسے نظر آتے ہیں؟ اپنے قاری کو یہ بات سمجھانے کے لیے ابن بطوطہ کس طرح کا تقابل پیش کرتا ہے؟ کیا یہ تشبیہ مناسب ہے؟ وہ کس طرح سے ذہن نشین کراتا ہے کہ ناریل ایک غیر معمولی پھل ہے؟ ابن بطوطہ کا یہ بیان کتنا صحیح ہے؟

5.2 ابن بطوطہ اور ہندوستانی شہر

ابن بطوطہ نے برصغیر ہند کے شہروں کو ان کے لیے پر جوش مواقع سے بھر پور پایا جن کے پاس ضروری جانفشانی، وسائل اور مہارت تھی۔ یہ شہر گھنی آبادی والے اور خوشحال تھے۔ سوائے کبھی کبھی جنگ اور حملوں سے ہونے والے انتشار کے۔ ابن بطوطہ کے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر شہروں میں بھیڑ بھاڑ والی سڑکیں اور منور رنگین بازار تھے جو مختلف طرح کی اشیاء سے بھرے پڑے رہتے تھے۔ ابن بطوطہ دہلی کو نہایت وسیع، بڑی آبادی کے ساتھ ہندوستان کا سب سے بڑا شہر بتاتا ہے۔ دولت آباد (مہاراشٹر میں) بھی کم بڑا نہیں تھا اور رقبے میں دہلی کے مد مقابل تھا۔

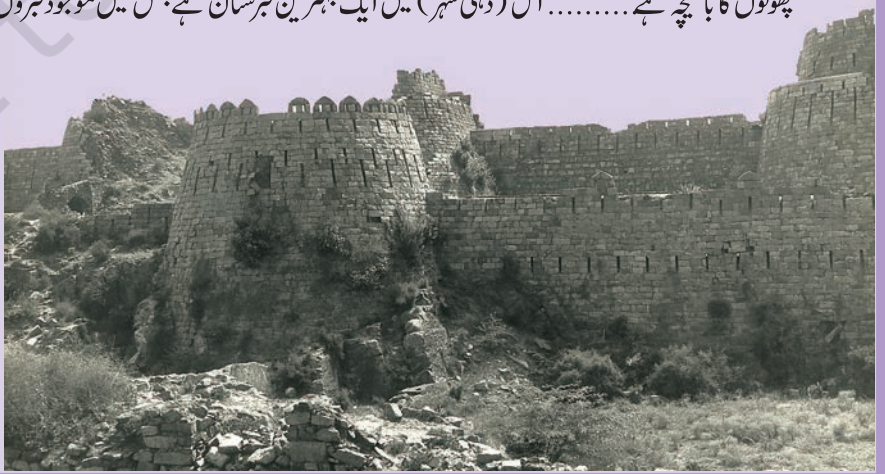
• ابن بطوطہ نے فنِ تعمیر کی کن خصوصیات پر توجہ دی ہے؟
شکل 5.8 اور 5.9 کی تصاویر سے اس بیان کا موازنہ کیجیے۔

ماخذ 8

دہلی



جسے اس عہد کی کتابوں میں اکثر دہلی کے نام سے لکھا جاتا تھا، کا تذکرہ ابن بطوطہ اس اقتباس میں یوں کرتا ہے: دہلی ایک وسیع رقبے میں پھیلا گھنی آبادی والا شہر ہے۔ شہر کی فصیل غیر متوازی ہے۔ دیوار کی چوڑائی گیارہ ہاتھ (ایک ہاتھ تقریباً 18 سے 20 انچ) یا نیم گز ہے۔ اس کے اندر رات کے پہرے دار اور دربانوں کے مکانات ہیں۔ اس کے اندر اشیائے خوردنی، سامان جنگ (میکزین)، گولہ بارود، مہینے اور محاصرہ میں کام آنے والی مشینوں کو رکھنے کے لیے گودام بنے ہوئے ہیں۔ بغیر خراب ہوئے، ان فصیلوں میں اناج طویل عرصہ تک رکھا جاسکتا تھا۔۔۔ فصیلوں کے اندرونی حصے میں گھوڑ سوار اور پیادہ فوجی شہر کے ایک جانب سے دوسری جانب جایا کرتے تھے۔ کھڑکیاں شہر کے جانب کھلتی ہیں۔ ان ہی کھڑکیوں کے ذریعہ روشنی اندر آتی ہے۔ فصیل کا نچلا حصہ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے جب کہ اوپری حصہ اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے قریب قریب کئی میناریں بنی ہیں۔ اس شہر کے اٹھائیس ابواب ہیں جنہیں دروازہ کہا جاتا ہے۔ ان میں بدایوں دروازہ سب سے بڑا ہے۔ ماندوی دروازے کے اندر ایک اناج منڈی ہے۔ گل دروازے کے بغل میں پھولوں کا باغیچہ ہے۔..... اس (دہلی شہر) میں ایک بہترین قبرستان ہے جس میں موجود قبروں کے اوپر گنبد بنا ہے۔ اور جن قبروں کے اوپر گنبد نہیں ہے ان پر ایک محراب ہے۔ قبرستان میں چنبیلی اور جنگلی گلاب وغیرہ پھول اگائے جاتے ہیں اور یہاں پھول سبھی موسم میں کھلے رہتے ہیں۔



شکل 5.8 (اوپر)
تغلق آباد دہلی کا ایک دروازہ
شکل 5.9 (دائیں)
بستی کی قلعہ بند دیوار کا ایک حصہ

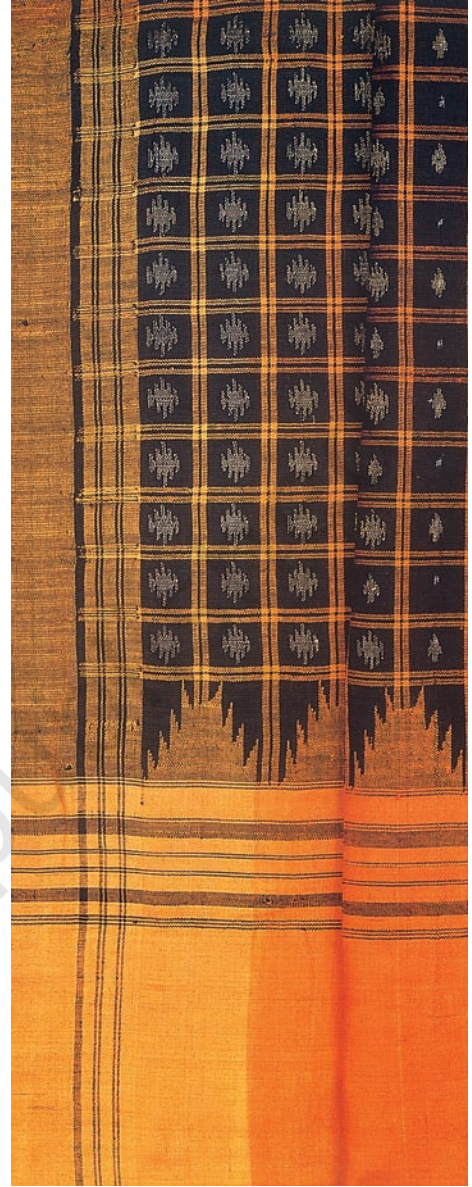
بازار صرف معاشی لین دین کے مقام ہی نہیں تھے بلکہ یہ سماجی اور معاشی سرگرمیوں کے مراکز بھی تھے۔ زیادہ تر بازاروں میں ایک مسجد اور ایک مندر ہوتا تھا۔ ان میں سے کم از کم کچھ میں تو رقاصاؤں، موسیقاروں اور گلوکاروں کے عوامی مظاہرہ کے لیے مقام بھی متعین ہوتے تھے۔ حالانکہ ابن بطوطہ کو شہروں کی خوشحالی کا ذکر کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ مورخین نے اس تحریر کو استعمال کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شہر اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ گاؤں کی فاضل پیداوار کے تصرف سے حاصل کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے پایا کہ ہندوستانی زراعت کی کثیر پیداواری کا سبب مٹی کی زرخیزی تھی جو کسانوں کے لیے سال میں دو فصلیں پیدا کرنا ممکن بناتی تھی۔ اس نے یہ بھی دھیان دیا کہ برصغیر کا رو بار اور تجارت کے بین الاقوامی نیٹ ورک سے اچھے ڈھنگ سے مربوط تھا۔ ہندوستانی مال کی وسطی اور جنوب مشرقی ایشیا، دونوں میں بہت مانگ تھی۔ جس کی وجہ سے دست کاروں اور تاجروں کو بھاری فائدہ ہوتا تھا۔ ہندوستانی کپڑے — خاص طور سے سوتی کپڑے، باریک ململ، ریشم، زری اور ساٹن کی بہت زیادہ مانگ تھی۔ ابن بطوطہ ہمیں بتاتا ہے کہ باریک ململ کی کئی اقسام اتنی مہنگی تھیں کہ انھیں امرا اور بہت زیادہ مالدار افراد ہی زیب تن کر سکتے تھے۔

ماخذ 9

بازار میں موسیقی

دولت آباد کے متعلق ابن بطوطہ کا بیان پڑھیے:

دولت آباد میں مرد اور خواتین گلوکاروں کا ایک بازار ہے جسے طرب آباد کہتے ہیں۔ یہ بہت خوبصورت اور وسیع بازاروں میں سے ایک ہے۔ یہاں بہت سی دکانیں ہیں۔ ہر دکان میں ایک ایسا دروازہ ہوتا ہے جو مالک کے گھر کی جانب بھی کھلتا ہے۔..... دکانوں کو قالینوں سے آراستہ کیا گیا ہے اور دکان کے وسط میں ایک گہوارہ ہوتا ہے جس پر مغنیہ بیٹھتی ہے۔ اس کی خادما میں گہوارہ کو ہلاتی رہتی ہیں۔ گہوارہ قیمتی اشیاء سے آراستہ ہوتا ہے۔ بازار کے وسط میں ایک بڑی گنبد نما چھت ہے۔ جس میں قالین بچھائے گئے ہیں اور اسے آراستہ کیا گیا ہے۔ اس میں ہر جمعرات کو فجر کی نماز کے بعد موسیقاروں کا چودھری اپنے خادموں اور غلاموں کے ساتھ آکر بیٹھتا ہے۔ ہر ایک مغنیہ باری باری آکر اس کے سامنے سورج غروب ہونے تک گاتی اور رقص کرتی ہے۔ اس کے بعد وہ چلا جاتا ہے۔ اس بازار میں عبادت کے لیے مساجد بھی ہیں۔..... ہندو حکمرانوں میں سے ایک..... جب بھی بازار سے گذرتا تھا گنبد نما چھت کے عین نیچے اترتا اور مغنیہ اس کے سامنے گانا پیش کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ کچھ مسلمان حکمرانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔



شکل 5.10

اس طرح کی ”اکات“ بُنائی کے نمونے برصغیر ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا کے کئی ساحلی پیداواری مراکز میں اپنائے گئے اور ان میں ترمیم کی گئی۔

آپ کے خیال میں ابن بطوطہ نے ان سرگرمیوں کا ذکر کیوں کیا؟

ایک حیرت انگیز ملک؟

بعد میں اپنے ہندوستان کے سفر کے دوران وہ منگور آیا اور مغربی گھاٹ کو پار کیا۔ یہاں اس نے ایک مندر دیکھا جس کو اس نے توصیفی انداز میں بیان کیا ہے۔

منگلور سے نومیل کے اندر ہی میں نے ایک مندر دیکھا۔ ایسا میں نے پوری دنیا میں کہیں نہیں دیکھا تھا۔ یہ مربع تھا جس کا ایک ضلع تقریباً 10 گز، اونچائی پانچ گز اور چوڑا غلام گردشوں کے ساتھ پوری طرح سے ڈھلے ہوئے کانہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ داخلی دروازے کی غلام گردش میں سونے کی ایک مورتی تھی جو انسان کے ماشاں تھی اور سائز میں قد آدم تھی۔ اس کی دونوں آنکھوں میں لال رنگ کے یا قوت اتنی مہارت سے لگائے گئے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مانو وہ آنکھیں دیکھ سکتی ہوں۔ اس دستکاری اور کارگیری کے کہا کہنے!

تاجروں کی حوصلہ افزائی کے لیے ریاست خصوصی اقدامات کرتی تھی۔ تقریباً سبھی تجارتی راستوں پر سرائے اور مسافر خانے بنائے گئے تھے۔ ابن بطوطہ ڈاک کے نظام کی کارگزاری دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ اس نظام کے ذریعہ تاجروں کے لیے نہ صرف لمبی دوری تک اطلاعات بھیجنا اور قرض ارسال کرنا ممکن ہوا بلکہ قلیل اطلاع پر مال بھیجنا بھی ممکن ہوتا تھا۔ ڈاک کا نظام انتظام تھا کہ جہاں سندھ سے دہلی تک کے سفر میں پچاس دن لگتے تھے، وہیں جاسوسوں کی خبریں سلطان تک اس ڈاک کے نظام کے ذریعہ صرف پانچ دن میں ہی پہنچ جاتی تھیں۔

ماخذ 10

گھوڑے پر اور پیدل

ڈاک کے نظام کا تذکرہ ابن بطوطہ کچھ اس طرح کرتا ہے:

ہندوستان میں دو طرح کی ڈاک کا نظام ہے۔ اسپ ڈاک نظام جسے اُلُق (Uluq) کہا جاتا ہے۔ جو ہر چار میل کے فاصلے پر واقع مستقر سے شاہی گھوڑوں کے ذریعہ چلتا ہے۔ پیدل ڈاک نظام کے مستقر پر تین منزل پر واقع ہوتے ہیں۔ اسے دعویٰ (Dawa) کہتے ہیں۔ یہ ایک میل کا ایک تہائی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ چونکہ ہر تین میل پر ایک گھنی آبادی والا گاؤں ہوتا ہے۔ جس کے باہر تین شہ نشیں (پوبلین) ہوتے ہیں جن میں لوگ کام کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کے پاس دو ہاتھ لمبی ایک چھڑ ہوتی ہے جس کے اوپر تانبے کی گھٹیاں لگی ہوتی ہیں۔ جب ہر کارہ شہر سے سفر شروع کرتا ہے تو ایک ہاتھ میں خط اور دوسرے میں گھٹیاں لگی چھڑ لیے وہ اپنی طاقت کے مطابق تیز دوڑتا ہے۔ جب شہ نشیں میں بیٹھے لوگ گھٹیوں کی آواز سنتے ہیں تو وہ تیار ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہی ہر کارہ ان کے قریب پہنچتا ہے۔ ان میں سے ایک اس سے خط لے لیتا ہے اور وہ چھڑ ہلاتے ہوئے تب تک پوری قوت سے دوڑتا ہے جب تک وہ اگلے ’دعویٰ‘ تک نہیں پہنچ جاتا۔ خط کے اپنے منزل مقصود تک پہنچنے تک یہ عمل چلتا رہتا ہے۔ یہ پیدل ڈاک نظام، اسپ ڈاک نظام سے زیادہ تیز ہے اور اس کا استعمال اکثر خراسان کے پھلوں کی بار برداری کے لیے ہوتا تھا۔ جنہیں ہندوستان میں بہت پسند کیا جاتا تھا۔

● کیا آپ کو لگتا ہے کہ پیدل ڈاک کے نظام پر پورے برصغیر ہندوستان میں عمل درآمد کیا جاسکتا تھا؟

← گفتگو کیجیے ...

ابن بطوطہ ایسی اشیا اور حالات کے مسئلہ کو کیسے حل کرتا تھا جن کو لوگوں نے نہیں دیکھا تھا اور جن کا تجربہ بھی نہیں کیا تھا؟

6. برنیئر اور ”خستہ حال“ مشرق

ابن بطوطہ نے جہاں ہر اس چیز کا تذکرہ کرنا پسند کیا جس نے اس کو اپنے انوکھے پن کے سبب متاثر اور برا بھونچہ کیا تھا وہیں برنیئر ایک الگ دانشورانہ روایت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ہندوستان میں جو کچھ بھی دیکھا اس کا موازنہ عام طور سے یورپ اور خاص طور سے فرانس کے حالات سے کرنے اور ان کے درمیان فرق کو اجاگر کرنے کے تئیں زیادہ متفکر تھا۔ خاص طور سے وہ حالات جنہوں نے اس کو افسردہ کیا تھا۔ اس کا ارادہ پالیسی سازوں اور دانشور طبقے کو متاثر کرنے کا تھا تاکہ وہ ایسے فیصلے لے سکیں جنہیں وہ ”صحیح“ مانتا تھا۔

برنیئر کا سفر نامہ ”ٹریلوں ان دی مغل ایمپائر“ (Travels in the Mughal Empire) اپنے تفصیلی مشاہدات، تنقیدی بصیرت اور تخیل کے لحاظ سے قابل ذکر ہے۔ اس کے سفر نامے میں کی گئی بحث میں مغلوں کی تاریخ کو عالمگیر ڈھانچے میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ ہمیشہ عہد مغل کے ہندوستان کا موازنہ یورپ سے کرتا ہے اور عموماً ہندوستان پر یورپ کی فوقیت پر زور دیتا ہے۔ اس کا ہندوستان کا تذکرہ دوہری مخالفت کے نمونے پر مبنی ہے جہاں ہندوستان کو یورپ کے برعکس کم تر دکھایا گیا ہے۔ اس نے حق وراثت یا ولی عہدی میں جو اختلافات محسوس کیے انہیں بھی اپنے مشاہدے کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ تاکہ ہندوستان مغربی دنیا کو حقیر نظر آئے۔

6.1 زمین پر ملکیت کا سوال

برنیئر کے مطابق مغل ہندوستان اور یورپ کے درمیان بنیادی فرق میں سے ایک ہندوستان میں نجی زمین کی ملکیت کا فقدان تھا۔ اس کا نجی ملکیت کے وصف میں پختہ یقین تھا اور اس نے زمین پر شاہی ملکیت کو ریاست اور اس کے باشندوں کے دونوں کے لیے نقصان دہ مانا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ مغل سلطنت میں بادشاہ ساری زمینوں کا مالک تھا جو اسے اپنوں کے درمیان تقسیم کرتا تھا۔ اس سے معیشت اور سماج کے لیے مصیبت خیز نتائج پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح کا ادراک برنیئر تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یہ سولہویں اور سترہویں صدی کے زیادہ تر سیاحوں کے سفر ناموں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

زمین کی شاہی ملکیت کے سبب برنیئر دلیل دیتا ہے کہ زمین مالکان اپنے بچوں کو زمین نہیں دے سکتے تھے۔ اس لیے وہ پیداوار کی سطح کو بنائے رکھنے کے لیے اور اس میں اضافہ کرنے کے لیے طویل مدتی سرمایہ کاری کے تئیں مایوس تھے۔ اس طرح نجی ملکیت کے فقدان نے ”بہتر“ زمین مالکوں کے طبقہ کے ابھرنے (جیسا کہ مغربی یورپ میں) نہیں دیا جو زمین کی دیکھ بھال اور

دور تک پھیلی غریبی

پلسارٹ نامی ایک ڈچ سیاح نے سترہویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں برصغیر ہند کی سیاحت کی تھی۔ برنیئر کی ہی طرح وہ بھی لوگوں میں دور تک پھیلی غریبی دیکھ کر حیرت زدہ تھا۔ لوگ ”اتنی زیادہ خستہ حال غریبی“ میں رہتے ہیں کہ ”ان کی زندگی کو صرف مستقل فقدان کے گھر اور شدید رنج و مصیبت کے مقام کی شکل میں تصویر کشی یا صحیح طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔“ ریاست کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے وہ کہتا ہے۔ ”کسانوں کو اتنا زیادہ چھوڑا جاتا ہے کہ پیٹ بھرنے کے لیے ان کے پاس سوکھی روٹی بھی بمشکل بچتی ہے۔“

بہتری کے تئیں فکر مند رہتے۔ اس کے سبب سوائے حکمران طبقے کے زراعت کی یکساں طور پر تباہی، کسانوں کا حد درجہ استحصال اور سماج کے سبھی طبقات کے معیار زندگی میں مسلسل زوال ہوا۔

ماخذ 11

غریب کسان

برنیئر کے گاؤں کے کسانوں کے تذکرے میں سے ایک اقتباس پیش ہے:

سلطنت ہند کے نہایت وسیع خطوں میں سے کئی صرف ریتیلے یا بنجر پہاڑ ہیں۔ یہاں کی زراعت اچھی نہیں ہے اور آبادی بھی کم ہے۔ یہاں تک کہ قابل زراعت زمین کا ایک بڑا حصہ مزدوروں کی کمی کے سبب بھتی کرنے سے رہ جاتا ہے۔ ان میں سے کئی مزدور گورنروں کے ذریعہ برتے گئے برے سلوک کے نتیجے میں مر جاتے ہیں۔ غریب جب اپنے لالچی آقاؤں کی مانگوں کو پورا کرنے کے قابل نہیں ہوتے تو ان کو نہ صرف بقائے زندگی کے وسائل سے محروم کر دیا جاتا ہے بلکہ انھیں اپنے بچوں کو بھی کھونا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس انتہائی جاہلانہ سلوک کی وجہ سے مایوس ہو کر کسان گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

اس اقتباس میں برنیئر ریاست اور سماج سے متعلق یورپ میں جاری ہم عصر بحث و مباحثہ میں حصہ لے رہا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ مغل ہندوستان سے متعلق اس کا بیان یورپ میں ان لوگوں کو متنبہ کرنے کا کام کرے گا جو نجی ملکیت کی ”اچھائیوں“ کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

شکل 5.11

انیسویں صدی کی ایسی تصاویر کی مثالوں نے اکثر غیر معتدل دیہی سماج کے نظریہ کو تقویت دی ہے۔



برنیئر کے مطابق برصغیر ہندوستان میں کسانوں کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا؟ کیا آپ کے خیال میں اس کا بیان اس مسئلے کو تقویت دیتا ہے؟

اس تفصیل سے برنیئر ہندوستانی سماج کو قلاش افراد کی بے تفریق عوام سے بنا سماج بتاتا ہے، جو ایک بڑے اور طاقتور حکمران جماعت جو اقلیت میں ہے، کا محکوم ہے۔ غریبوں میں سب سے غریب اور امیروں میں سب سے امیر فرد کے درمیان کوئی بھی نام نہاد سماجی گروہ یا طبقہ نہیں تھا۔ برنیئر بڑے یقین سے کہتا ہے کہ ”ہندوستان میں متوسط طبقے کے افراد نہیں ہیں۔“

ماخذ 12

یورپ کے لیے ایک تنبیہ

برنیئر متنبہ کرتا ہے کہ اگر یورپی حکمرانوں نے مغل نمونے کو اختیار کیا تو:

ان کی ریاستیں اس انداز سے اچھی طرح کاشت کی ہوئی اور آباد، اچھی طرح سے تعمیر، اتنی غنی، اتنی شائستہ اور پھلتی پھولتی نہیں رہ جائیں گی جیسا کہ ہم انھیں دیکھتے ہیں۔ دوسرے انداز میں ہمارے حکمران دولت مند اور طاقتور ہیں۔ ہم کو یہ قبول کرنا ہوگا کہ ان کی اور بہتر اور شاہی طریقے سے خدمت ہو۔ وہ جلد ہی ریگستان اور ویران مقامات کے بھکاریوں اور وحشی لوگوں کے بادشاہ بن کر رہ جائیں گے۔ جیسا کہ وہ جن کے ضمن میں، میں نے تذکرہ کیا ہے۔ (مغل حکمران)۔۔۔ ہم ان عظیم شہروں اور قصبوں کو خراب ہوا کے سبب ناقابل سکونت زوال پذیر حالت میں پائیں گے جن کی درستی کی کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور جھاڑیاں یا وبائی دلدل سے بھرے ہوئے کھیت جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔

۷ برنیئر تباہی و بربادی کے منظر کی تصویر کشی کس طرح کرتا ہے؟ جب آپ باب 8 اور باب 9 کا مطالعہ کریں گے تب آپ اس بیان کو پھر سے پڑھیے اور پھر اس کا تجزیہ کیجیے۔

پھر برنیئر نے کیسے مغل سلطنت کو اس طرح دیکھا۔ اس کا بادشاہ ”بھکاریوں اور ظالم لوگوں“ کا بادشاہ تھا۔ اس کے شہر اور قصبے تباہ و برباد اور ”خراب ہوا“ سے آلودہ تھے۔ اس کے کھیت ”جھاڑیوں“ اور ”وبائی دلدل“ سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کا صرف ایک ہی سبب تھا۔ زمین کی شاہی ملکیت۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک بھی مغل سرکاری دستاویز یہ نہیں ظاہر کرتی کہ ریاست ہی زمین کی صرف اکیلی مالک تھی۔ مثال کے طور پر سولہویں صدی میں اکبر کے عہد کا سرکاری مورخ ابوالفضل زمین مال گزاری کو ”حکومت کا معاوضہ“ کے طور پر ذکر کرتا ہے، جو بادشاہ کے ذریعہ اپنی رعایا کی حفاظت مہیا کرنے کے عوض کیا گیا مطالبہ ہے، نہ کہ اپنے قصبے والی زمین پر لگان۔ ایسا ممکن ہے کہ یورپی سیاح ایسے مطالبوں کو لگان مانتے تھے کیونکہ زمین کی مال گزاری کا مطالبہ اکثر بہت زیادہ ہوتا تھا۔ تاہم یہ نہ تو لگان تھا اور نہ ہی زمین ٹیکس، بلکہ پیداوار پر یعنی فصل پر لگنے والا ٹیکس تھا (مزید تفصیل کے لیے باب 8 دیکھیے)

برنیئر کے بیانات نے اٹھارہویں صدی سے ہی نظریہ سازوں کو متاثر کیا ہے۔ مثال کے طور پر فرانسیسی فلسفی مونٹسکیو نے اس کے سفر نامے کا استعمال مشرقی مطلق العنانی کے نظریہ کو ارتقا پذیر کرنے کے لیے کیا۔ جس کے مطابق ایشیا (اورینٹ یعنی مشرق) میں حکمران اپنی رعایا کے اوپر مطلق اقتدار سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ جنھیں تابعداری اور غریبی کی حالت میں رکھا جاتا تھا۔ اس دلیل کی بنیاد یہ تھی کہ ساری زمین کا تعلق بادشاہ سے ہوتا تھا یعنی اس کے قبضے میں ہوتی تھی۔ نجی ملکیت کا وجود نہیں تھا۔ اس نظریہ کے مطابق بادشاہ اور اس کے امراء طبقہ کو چھوڑ کر ہر ایک شخص مشکل سے گزر بسر کرتا تھا۔

انیسویں صدی میں کارل مارکس کے اس تصور اور نظریہ کو ایشیائی طریقہ پیداوار (Asiatic mode of production) کے نظریہ کے طور پر مزید ترقی دی۔ اس نے یہ دلیل دی کہ ہندوستان (نیز دیگر ایشیائی ممالک) میں نوآبادیت سے قبل فاضل پیداوار پر تصرف ریاست کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس سے ایک ایسے سماج کا ظہور ہوا جو بڑی تعداد میں خود اختیار اور (اندرونی طور پر) مساوات پر مبنی طبقات سے بنا تھا۔ ان دیہی طبقات پر شاہی دربار کی نگرانی ہوتی تھی۔ تب تک فاضل پیداوار کا بہاؤ بغیر رکاوٹ جاری رہتا تھا۔ اس کی خود مختاری کا احترام کیا جاتا تھا اور اس کو جمہودی نظام مانا جاتا تھا۔

تاہم، جیسا کہ ہم دیکھیں گے (باب 8) دیہی سماج کی یہ تصویر کشی حقیقت سے بہت دور تھی۔ حقیقتاً سولہویں سترہویں صدی میں دیہی سماج میں خاصیت کے اعتبار سے بڑے پیمانے پر سماجی اور



شکل 5.12

چمچہ جس میں زمرد اور روپی پتھر جڑے
ہوئے ہیں۔ مغل دست کاری اور مہارت کی
ایک مثال

معاشی فرق موجود تھا۔ ایک سرے پر بڑے زمین دار تھے جو زمین پر اعلیٰ حقوق سے لطف اندوز ہوتے تھے اور دوسری طرف ”اچھوت“ بے زمین مزدور تھے۔ ان دونوں کے درمیان میں بڑا کسان تھا جو کرائے کے مزدوروں (اجرت مزدور) کا استعمال کرتا تھا اور اشیا کی پیداوار میں مشغول رہتا تھا۔ ساتھ ہی چھوٹے کسان بھی تھے جو مشکل سے بقائے زندگی کے لائق پیداوار کر پاتے تھے۔

6.2 ایک زیادہ پیچیدہ سماجی حقیقت

اگرچہ مغل حکومت کو ایک استبدادی شکل دینے کا تعصب واضح ہے پر اس کے بیانات گاہے بگا ہے ایک زیادہ پیچیدہ سماجی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ محسوس کرتا ہے کہ دست کاروں کے پاس مصنوعات کو بہتر بنانے کے لیے کوئی محرک نہیں تھا۔ کیونکہ منافع پر ریاست کے ذریعہ تصرف کر لیا جاتا تھا۔ اس لیے پیداوار ہر جگہ زوال پذیر تھی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی قبول کرتا ہے کہ پوری دنیا سے بڑی مقدار میں قیمتی دھاتیں ہندوستان میں آتی تھیں، کیونکہ مصنوعات کی سونے اور چاندی کے عوض برآمد ہوتی تھی۔ وہ ایک خوشحال تجارتی طبقہ جو طویل مسافت کی مبادلہ تجارت میں مشغول تھا، کے وجود کی بھی اطلاع دیتا ہے۔

ماخذ 13

ایک مختلف سماجی معاشی منظر نامہ

برنیئر کے سفر نامہ سے لیا گیا یہ اقتباس پڑھیے جس میں زراعت اور دست کاری کی پیداوار، دونوں کا تذکرہ کیا گیا ہے:

یہ ادراک کرنا ضروری ہے کہ اس ملک کے وسیع زمینی خطے کا زیادہ تر حصہ نہایت زرخیز ہے۔ مثال کے طور پر بنگال کی وسیع ریاست جو مصر سے نہ صرف چاول، مکا اور بقائے زندگی کی دیگر ضروری اشیا کی پیداوار، بلکہ ان بے شمار تجارتی اشیا کے تعلق میں جو مصر میں بھی کاشت نہیں کی جاتیں جیسے ریشم، کپاس اور نیل سے کہیں آگے ہے۔ ہندوستان کے کئی علاقے ایسے بھی ہیں جہاں آبادی کثیر ہے اور زمین پر زراعت اچھی ہوتی ہے۔ جہاں ایک دست کار، جو اگرچہ بنیادی طور پر کابل ہوتا ہے، ضرورت سے یا کسی دیگر سبب سے اپنے آپ کو قالین، کجواب، کشیدہ کاری، سونے اور چاندی کے لباس اور مختلف قسم کے ریشم اور سوتی کپڑے جو ملک میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور ملک سے باہر برآمد بھی کیے جاتے ہیں، کو تیار کرنے کے کام کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔

اس بات کو نظر انداز کرنا مشکل ہوگا کہ پوری دنیا کے سبھی حصوں میں گردش کرنے کے بعد سونا اور چاندی ہندوستان میں آکر کچھ حد تک کھو جاتے ہیں۔

اس اقتباس میں کیا گیا تذکرہ ماخذ 11 میں دیے گئے اقتباس سے کن معنوں میں مختلف ہے؟

شاہی کارخانے

شاید برنیئر اکیلا ایسا مؤرخ ہے جو شاہی کارخانوں کے طریقہ عمل کا تفصیلی تذکرہ مہیا کرتا ہے:

کئی مقامات پر بڑے ہال دکھائی دیتے ہیں جنہیں کارخانہ یا دست کاروں کے کام کرنے کی جگہ کہتے ہیں۔ ایک ہال میں کشیدہ کار ایک استاد فن کی نگرانی میں مصروف کار رہتے ہیں۔ ایک دیگر ہال میں آپ سناروں کو مصروف عمل پائیں گے، تیسرے میں مصوّر، چوتھے میں روغن گر، ملع کاری کا کام کرتے ہوئے۔ پانچویں میں بڑھئی، خراہ کرنے والے، درزی اور جوتے بنانے والے، چھٹے میں ریشم، کھواب نیز عمدہ ململ بنانے والے۔۔۔۔۔

دستکار اپنے کارخانوں میں ہر روز صبح آتے ہیں جہاں وہ پورے دن مصروف رہتے ہیں اور شام کو اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ کوئی بھی زندگی کے ان حالات میں سدھار کرنے کا خواہش مند نہیں ہے جن میں وہ پیدا ہوا تھا۔

• برنیئر اس خیال کو کس طرح ذہن نشین کراتا ہے کہ اگرچہ ہر طرف کافی سرگرمی تھی پر ترقی بہت کم تھی؟

حقیقت میں سترھویں صدی میں آبادی کا تقریباً 15 فی صد حصہ شہروں میں سکونت پذیر تھا۔ یہ اوسط اسی عہد کے مغربی یورپ کی شہری آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ تھا۔ باوجود یہ کہ برنیئر عہد کے شہروں کو ”خیمہ شہر“ کے طور پر ذکر کرتا ہے، جس سے اس کی مراد ان شہروں سے تھی جو اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے شاہی خیمے پر منحصر تھے۔ اس کا ماننا تھا کہ شاہی دربار کے میل جول سے ان کا وجود قائم رہتا تھا اور لاطینی پرزوال پذیر ہو جاتا تھا۔ اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ ان کی سماجی اور معاشی بنیاد زندہ رہنے کے لائق نہیں تھی اس لیے یہ شاہی امداد پر رہتے تھے۔

زمین کی ملکیت کے سوال کی طرح ہی برنیئر ایک از حد سادہ تصویر پیش کر رہا تھا۔ واقعتاً سبھی قسم کے شہر موجود تھے: پیداواری مراکز (شہر)، تجارتی شہر، مذہبی مراکز، زیارتی مقامات وغیرہ۔ ان کی بقا، خوشحالی، تجارتی طبقات اور پیشہ ور طبقوں کی بقا کا منظر تھی۔

تاجرا کثر مضبوط جماعتی و طبقاتی رشتہ داری کے تعلق سے منظم تھے اور اپنی ذات اور پیشہ ورانہ (کاروباری) انجمنوں کے ذریعہ منظم رہتے تھے۔ احمد آباد جیسے شہری مرکز میں سبھی مہاجنوں کی اجتماعی نمائندگی تجارتی طبقے کے کھیا کے ذریعہ ہوتی تھی جسے ”نگر سیٹھ“ کہا جاتا تھا۔

دیگر شہری گروپوں میں کاروباری جماعتوں جیسے معالج (حکیم یا وید)، اساتذہ (ملا وپنڈت)؛ وکیل، مصوّر، معمار، موسیقار، کاتب وغیرہ شامل تھے۔ اگرچہ کچھ شاہی سرپرستی پر منحصر تھے۔ بہت سے دیگر سرپرستوں یا بھیڑ بھاڑ والے بازاروں میں عام لوگوں کی خدمت کے ذریعہ زندگی گزارتے تھے۔

• گفتگو کیجیے ...

آپ کے خیال میں برنیئر جیسے دانشوروں نے ہندوستان کا موازنہ یورپ سے کیوں کیا؟

ماخذ 15

غلام عورتیں

ابن بطوطہ ہمیں بتاتا ہے:

یہاں بادشاہ کی عادت ہے.... ہر بڑے یا چھوٹے امیر کے ساتھ اپنے غلاموں میں سے ایک کو رکھنے کی، جو اس کے امیروں کی خبری کرتا ہے۔ وہ خاتون خاکروب کو بھی مقرر کرتا ہے جو بنا اطلاع دیے گھر میں داخل ہو جاتی ہیں اور غلام عورتوں کے پاس جو بھی اطلاعات ہوتی ہیں وہ اس کو دے دیتی ہیں۔

زیادہ تر غلام عورتوں کو حملوں اور مہمات کے دوران اسیر کر لیا جاتا تھا۔

ماخذ 16

بچی کی ستی

یہ شاید برنیئر کے تذکروں میں سب سے زیادہ دردناک تذکرہ ہے:

لاہور میں میں نے ایک بہت ہی خوبصورت نوجوان بیوہ جس کی عمر میرے خیال میں بارہ سال سے زیادہ تھی، کی قربانی ہوتے ہوئے دیکھی۔ اس بھیا نک جنم کی طرف جاتے ہوئے وہ بے سہارا چھوٹی بچی زندہ سے زیادہ مردہ لگ رہی تھی۔ اس کی ذہنی الجھن کا ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کانپ رہی تھی اور بری طرح رو رہی تھی۔ لیکن تین یا چار برہمن، ایک بزرگ عورت، جس نے اس کو اپنے بازوؤں کے نیچے دبایا ہوا تھا، کی مدد سے اس عدم خواہش شکار کو زبردستی مقام کی طرف لے گئے۔ اسے لکڑیوں پر بٹھایا گیا۔ اس کے ہاتھ اور پیر باندھ دیے گئے تاکہ وہ بھاگ نہ جائے اور اس حالت میں اس معصوم مخلوق کو زندہ جلادیا گیا۔ مجھے احساس ہے کہ اپنے جذبات کو دبائے اور پھٹ پڑتے احتجاج اور لا حاصل غصے کو ان کے اُبال کے سامنے، دبائے پر مجبور ہونا پڑا۔

7. عورتیں

غلام، ستی اور مزدور

جن سیاحوں نے اپنے سفر نامے تحریر کیے ہیں وہ عام طور پر مرد تھے جنہیں برصغیر ہند میں عورتوں کی حالت دلچسپ اور کبھی کبھی پر تجسس لگتی تھی۔ کبھی کبھی وہ سماجی بے انصافی کو ”فطری“ معاملات مان لیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر بازاروں میں دیگر اشیاء کی طرح غلام کھلے عام فروخت ہوتے تھے اور مستقل طور پر تحفہ میں دیے جاتے تھے۔ اب ابن بطوطہ سندھ پہنچا تو اس نے سلطان محمد بن تغلق کو تحفہ میں دینے کے طور پر گھوڑے، اونٹ اور غلام خریدے تھے۔ جب وہ ملتان پہنچا تو اس نے گورنر کو کشمیش اور بادام کے ساتھ ایک غلام اور گھوڑا تحفہ میں پیش کیا۔ ابن بطوطہ بتاتا ہے کہ محمد بن تغلق، نصیر الدین نامی مبلغ کے خطبات سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے ایک لاکھ ٹکے (سکہ) اور دو سو غلام اس کو عطا کیے۔

ابن بطوطہ کے تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلاموں میں کافی فرق تھا۔ سلطان کی خدمت میں مشغول کچھ غلام عورتیں، موسیقی اور رقص میں ماہر تھیں اور ابن بطوطہ سلطان کی بہن کی شادی کے موقع پر ان کے مظاہرہ سے بہت لطف اندوز ہوا تھا۔ سلطان اپنے امرا پر نظر رکھنے کے لیے بھی غلام عورتوں کو مقرر کرتا تھا۔

غلاموں کو عام طور پر گھریلو خدمات کے لیے ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ ابن بطوطہ نے ان کی خدمات کو، پالکی یا ڈولے میں مردوں اور عورتوں کو لے جانے میں خاص طور پر ناگزیر پایا۔ غلاموں کی قیمت، بالخصوص ان غلام عورتوں کی جن کی ضرورت گھریلو خدمات کے لیے تھی، بہت کم ہوتی تھی۔ زیادہ تر خاندان جو رکھنے کی قدرت رکھتے تھے کم از کم ایک یا دو غلام تو رکھتے ہی تھے۔

سبھی ہم عصر یورپی سیاحوں اور مصنفین نے عورتوں کے ساتھ کیے جانے والے سلوک کی اکثر مغربی اور مشرقی سماجوں کے درمیان اہم فرق کے طور پر نشان دہی کی تھی۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ برنیئر نے ستی کے رسم و رواج کو تفصیلی ذکر کے لیے منتخب کیا۔ اس نے لکھا کہ گرچہ کچھ عورتیں خوشی سے موت کو گلے لگا لیتی تھیں جب کہ دیگر کومرنے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا۔

باوجود اس کے کہ عورتوں کی زندگی ستی کی رسم کے علاوہ دیگر بہت سی چیزوں کے گرد گھومتی تھی۔ ان کی محنت، زراعت اور غیر زرعی پیداوار، دونوں میں اہم تھی۔ تجارتی گھرانوں سے تعلق رکھنے والی خواتین تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی تجارتی جھگڑوں کو

عدالت کے سامنے بھی لے جاتی تھیں۔ چنانچہ یہ بعید از قیاس لگتا ہے کہ عورتوں کو ان کے گھروں کے نجی مقامات تک محدود رکھا جاتا تھا۔

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ سیاحوں کے سفر نامے ان صدیوں میں مردوں اور عورتوں کی زندگی کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔ تاہم ان کے مشاہدات جہاں سے وہ آئے تھے اس تناظر میں اکثر ایک خاص شکل میں دیکھے جاتے ہیں۔ اس زمانے کی سماجی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر ان سیاحوں نے دھیان نہیں دیا۔

ساتھ ہی برصغیر ہند کے مردوں (اور ممکنہ طور پر عورتوں) کے تجربات اور مشاہدات سے نسبتاً لاعلم ہیں جنہوں نے سمندروں اور پہاڑوں کو پار کیا اور برصغیر سے باہر کے علاقوں میں جو کھم بھرے سفر کیے۔ انہوں نے کیا دیکھا اور سنا؟ دور دراز علاقوں کے لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات کس طرح قائم ہوئے، وہ کن زبانوں کا استعمال کرتے تھے؟ امید ہے کہ ان پر اور دیگر سوالات پر آنے والے برسوں میں مؤرخ منصوبہ بند طریقے سے تبادلہ خیال کریں گے۔

گفتگو کیجیے...

آپ کے خیال میں عام عورتوں کی زندگی نے ابن بطوطہ اور برنیئر جیسے سیاحوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کیوں نہیں کی؟

شکل 5.13

متھرا سے سنگ تراشی کا ایک پینل، جس میں سیاحوں کو دکھایا گیا ہے۔

آدمدورفت کے وہ کون سے ذرائع ہیں جو یہاں دکھائے گئے ہیں؟



ٹائم لائن کچھ سیاح جنہوں نے اپنے سفر نامے تحریر کیے

دسویں صدی۔ گیارہویں صدی	محمد ابن احمد ابوریحان البیرونی (ازبکستان سے)	973-1048
تیرہویں صدی	مارکو پولو (اطالی سے)	1254-1323
چودھویں صدی	ابن بطوطہ (مراکش سے)	1304-77
پندرہویں صدی	عبدالرزاق کمال الدین ابن اسحاق السمرقندی (سمرقند سے)	1413-82
1466-72	افاناسی کی ٹچ کی ٹن (روس سے)	(ہندوستان میں گزارے سال)
سولہویں صدی	دوارتے باربوسا، وفات 1521 (پرتگال سے)	1518 (ہندوستان کا سفر)
1562	سیدی علی رئیس (ترکی سے)	(سال وفات)
1536-1600	انٹونیو مانسرات (اسپین سے)	
سترہویں صدی	محمد ولی بلخی (بلخ سے)	1626-31 (ہندوستان میں گزارے سال)
1600-67	پیٹر منڈی (انگلینڈ سے)	
1605-89	جین باپٹسٹ ٹیورنیئر (فرانس سے)	
1620-88	فراکوکس برنیئر (فرانس سے)	

نوٹ: جہاں کوئی اشارہ نہیں ہے، تاریخیں سیاح کے عرصہ حیات کو ظاہر کر رہی ہیں۔

150-100 لفظوں میں جواب دیجیے



- 1- کتاب الہند پر ایک نوٹ لکھیے۔
- 2- ابن بطوطہ اور برنیئر نے جن تناظر سے ہندوستان میں اپنے سفر نامے تحریر کیے تھے، ان کا موازنہ کیجیے اور فرق بتائیے۔
- 3- برنیئر کے سفر نامے سے شہری مراکز کی ابھرنے والی تصویر پر بحث کیجیے۔
- 4- سنی کی رسم سے متعلق ابن بطوطہ کی دی گئی شہادتوں کا تجزیہ کیجیے۔
- 5- سنی کی رسم کے کون سے عوامل تھے جس نے برنیئر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی؟

مندرجہ ذیل پر ایک مضمون (تقریباً 250 سے 300 الفاظ پر مشتمل) لکھیے



- 6- ذات پات کے نظام کے متعلق البیرونی کی فہم پر بحث کیجیے۔
- 7- آپ کے خیال میں کیا ہم عصر شہری مراکز میں طرز زندگی کی صحیح فہم حاصل کرنے میں ابن بطوطہ کا تذکرہ معاون و مددگار ہے؟ دلائل پیش کیجیے۔
- 8- برنیئر کا سفر نامہ کس حد تک مورخین کو ہم عصر دیہی سماج کو از سر نو تعمیر کرنے کے قابل بناتا ہے؟ بحث کیجیے۔
- 9- برنیئر کے اس اقتباس کو پڑھیے:
ایسے لوگوں کے ذریعہ تیار کردہ دست کاری کے نمونوں کی بہت سی مثالیں ہیں جن کے پاس اچھے اوزاروں کا فقدان ہے اور جن کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے کسی ماہر فن استاد سے کام سیکھا تھا۔ کبھی کبھی وہ یورپ میں تیار اشیا کی اتنی مہارت کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ اصل اور نقل کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دیگر اشیا میں ہندوستانی لوگ بہترین نالی والی بندوقیں اور ایسے نفیس زیورات بناتے ہیں کہ رشک آتا ہے کہ کیا یورپی سنار کاریگری کے ان عمدہ نمونوں سے بہتر بنا سکتا تھا۔ میں اکثر ان کی رنگوں سے بنائی تصویروں کی خوبصورتی، ملائمت اور نزاکت و نفاست سے حیرت زدہ ہو جاتا ہوں۔

اس پیراگراف میں ذکر کی گئی دست کاری کی فہرست بنائیے اور اس کا موازنہ اس باب میں مذکور دست کارانہ سرگرمیوں سے کیجیے۔

نقشے کا کام



10۔ دنیا کے خاکے میں ان ملکوں کی نشاندہی کیجیے جن کا سفر ابن بطوطہ نے کیا تھا۔ وہ کون سے سمندر تھے جنہیں وہ پار کر سکا تھا۔

پروجیکٹ (کوئی ایک)



11۔ اپنے کسی ایسے بزرگ رشتہ دار (والدہ والدہ / دادا / دادی / چچا / چچی وغیرہ کا انٹرویو لیجیے جنہوں نے آپ کے شہر یا گاؤں کے باہر سفر کیا ہو۔ معلوم کیجیے (a) وہ کہاں گئے تھے۔ (b) انہوں نے کیسے سفر کیا؟ (c) انہیں کتنا وقت لگا؟ (d) انہوں نے سفر کیوں کیا؟ (e) کیا انہوں نے کسی مشکل کا سامنا کیا؟ ان کے مقام سکونت اور سفر کے مقامات کے درمیان زبان، لباس، غذا، رسم و رواج، عمارات، سڑکیں اور مرد و عورت کی طرز زندگی میں یکسانیت اور فرق کی فہرست بنائیے جنہوں نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی اور ان سے حاصل معلومات پر ایک رپورٹ تحریر کیجیے۔

12۔ اس باب میں مذکور سیاحوں میں سے ایک کے حالات زندگی اور تحریروں کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔ ان کی سیاحت پر ایک رپورٹ تیار کیجیے، خاص طور پر اس بات پر توجہ دیتے ہوئے کہ انہوں نے سماج کا تذکرہ کس طرح کیا تھا اور اس کا موازنہ باب میں دیے گئے اقتباسات سے کیجیے۔



اگر آپ مزید معلومات چاہتے ہیں تو ان کتابوں کا مطالعہ کیجیے:

مظفر عالم اور بنجے سیرانیم، 2006

Indo-Persian Travels in the Age of Discoveries, 1400-1800

کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج۔

کیتھرائن آشر اور سنتھیا ٹالبوٹ، 2006

India Before Europe

کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج۔

فرانس برنیئر

Travels in the Mogul Empire

AD 1656-1668 لوپاز پبلی کیشن، نئی دہلی

ایچ۔ اے۔ آر۔ گب (مرتبہ)، 1993

The Travels of Ibn Battuta

منشی رام منوہر لال، دہلی

مشیر الحسن (مرتبہ)، 2005

Westward Bound: Travels of

Mirza Abu Talib آکسفورڈ یونیورسٹی پریس،

نئی دہلی

شکل 5.14

اس تصویر میں سیاحوں کو آرام کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔



ایچ۔ کے۔ کول (مرتبہ) 1997
Travellers' India - an Anthology.

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی

جان باپٹسٹ ٹیورنیر، 1993

Travels in India.

منشی رام منوہر لال، دہلی



مزید معلومات کے لیے آپ ویب سائٹ پر رابطہ
 کر سکتے ہیں:

www.edumaritime.org